باغِ فدک کی حقیقت وحیثیت: تفسیر ذخیرۃ الجنان کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ

The Reality and Legal Status of Fadak: An Analytical Study in the Light of Tafseer Dhakhīrat al-Janan fi Fahm al-Qur'an

Dilnaz Begum
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
Abdul Wali Khan University Mardan
Email: dilnazbegum29@gmail.com
Prof. Dr. Muhammad Tahir
Dean Faculty of Arts & Humanities,
Abdul Wali Khan University Mardan
Email: muhammad_tahir@awkum.edu.pk

ABSTRACT
This research paper explores the historical, legal, and theological dimensions of the "Land of Fadak" (Bāgh-e-Fadak) through an analytical study of the renowned exegesis Tafseer Dhakhīrat al-Janan fi Fahm al-Qur'an by Maulana Sarfaraz Khan Safdar. The issue of Fadak has long been a subject of intense scholarly debate, intersecting with the principles of Islamic property law, the administration of the public treasury (Bayt al-Mal), and the unique legal status of Prophetic inheritance. By synthesizing classical Quranic commentaries (Tafāsīr), Prophetic traditions (Ahadith), and historical records, this study clarifies that Fadak was categorized as Al-Fay (property acquired without military conflict), thus serving as a state-administered endowment rather than personal patrimony. The research highlights the administrative continuity maintained during the Rightly Guided Caliphate (Khilafat-e-Rashida), arguing that the decisions made by the first Caliph, Abu Bakr (RA), were grounded in the Prophetic injunction: "We, the assembly of Prophets, do not leave inheritance; whatever we leave is charity." Furthermore, this paper addresses contemporary misconceptions and sectarian interpretations by presenting a balanced intellectual framework that prioritizes jurisprudential evidence over emotional narratives. Ultimately, the study underscores the contemporary relevance of this discourse in establishing principles of governance, financial transparency, and intellectual tolerance within the modern socio-political landscape.

Keywords: Fadak, Prophetic Inheritance, Al-Fay, Bayt al-Mal, Tafseer Dhakhīrat al-Janan, Islamic Governance, Rightly Guided Caliphate

اسلامی تاریخ کے بعض وقائع محض گزرے ہوئے کل کا قصہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ اپنے اندر ایسے علمی، اعتقادی اور فکری مباحث سموئے ہوتے ہیں جو رہتی دنیا تک فکرِ انسانی کے لیے مہمیز ثابت ہوتے ہیں۔ انہی حساس اور ہمہ جہت موضوعات میں سے ایک "باغِ فدک" کا مسئلہ ہے، جو عہدِ رسالت مآب ﷺ سے لے کر خلافتِ راشدہ تک ایک منفرد تاریخی اور فقہی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ فدک کا معاملہ بظاہر ایک قطعہِ اراضی کے استحقاق کا عنوان نظر آتا ہے، لیکن غائر نظر سے دیکھا جائے تو یہ مسئلہ اسلامی قانونِ ملکیت، نظمِ بیت المال، وراثتِ انبیاء علیہم السلام اور اکابر صحابہ کرامؓ کے باہمی تعامل جیسے نہایت دقیق اور کلامی مباحث سے پیوستہ ہے۔

واقعہ فدک کی علمی و تاریخی اہمیت اس پہلو سے بھی نمایاں ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انتظامی معاملات اور آپ ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ کے اصولِ حکمرانی کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی کسوٹی فراہم کرتا ہے۔ یہ واقعہ ہمیں یہ بصیرت عطا کرتا ہے کہ اسلامی ریاست میں "اموالِ عامہ" کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ان کے تصرف کے حدود و قیود کن بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں۔ متکلمِ اسلام مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے اپنی معرکہ آراء تفسیر "ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن" میں اس واقعے کی جو توجیہ و تشریح فرمائی ہے، وہ نہ صرف تاریخی روایات کے ابہام کو دور کرتی ہے بلکہ اس کے اعتقادی اور فقہی پہلوؤں کو افراط و تفریط سے پاک ایک متوازن قالب میں ڈھال کر پیش کرتی ہے۔

عصرِ حاضر میں اس مسئلے کی نزاکت اور ضرورتِ تحقیق اس بنا پر مزید دوچند ہو جاتی ہے کہ بعض مخصوص فکری حلقوں کی جانب سے واقعہ فدک کو ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے مشاہیر صحابہؓ کی عدالت کو نشانہ بنایا جاتا ہے، جس سے فرقہ وارانہ خلیج میں اضافہ ہوا ہے۔ بقول سید سلیمان ندویؒ، "تاریخ کے ایسے نازک مقامات پر قلم اٹھانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، جہاں جذبات حقائق پر غالب آ جاتے ہیں۔"[1] لہٰذا، ایک ایسے معتدل اور مستند مطالعے کی ضرورت ناگزیر تھی جو علمی دیانت کے ساتھ ان شبہات کا ازالہ کر سکے اور جذباتی لہروں کے بجائے ٹھوس تحقیقی بنیادوں پر اس مسئلے کی اصل حقیقت واضح کرے۔

تحقیق کے بنیادی سوالات:

اس مقالے میں درج ذیل بنیادی سوالات کے علمی جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

1) باغِ فدک کی اصل شرعی حیثیت کیا تھی؟
2) کیا یہ اراضی نبی کریم ﷺ کی شخصی ملکیت تھی یا اس کی نوعیت وقف / مالِ فے کی تھی؟
3) خلفائے راشدینؓ نے اس معاملے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا، اس کے قانونی اور شرعی محرکات کیا تھے؟
4) تفسیر ذخیرۃ الجنان میں اس حوالے سے پیش کیے گئے دلائل کی علمی و استدلالی قوت کیا ہے؟

منہجِ تحقیق (Methodology):

زیرِ نظر مطالعہ میں توصیفی (Descriptive)، تجزیاتی (Analytical) اور تقابلی (Comparative) منہج اختیار کیا گیا ہے۔ اولاً، تفسیر ذخیرۃ الجنان کے مواد کو علمی ترتیب کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے، ثانیاً، ان مباحث کا دیگر امہات التفاسیر اور معتبر تاریخی مصادر سے تقابل کر کے اس کی صحت و استناد کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تحقیق محض روایتی بیانیہ نہیں، بلکہ ایک ایسی سنجیدہ علمی کاوش ہے جو قاری کو اس حساس مسئلے کی مدلل اور متوازن تفہیم فراہم کرنے کی سعی کرتی ہے۔

1۔ تاریخی پس منظر

(الف) فدک کا جغرافیائی تعارف

فدک حجازِ مقدس کے شمال میں واقع ایک قدیم اور مردم خیز بستی تھی، جو مدینہ منورہ سے شمال کی جانب تقریباً دو سے تین دن کی مسافت (تقریباً 140 کلومیٹر) پر، وادیٔ خیبر کے قریب واقع تھی۔ یہ علاقہ اپنی شادابی، میٹھے پانی کے چشموں اور کھجوروں کے کثیر باغات کی وجہ سے پورے حجاز میں ممتاز تھا۔ مشہور جغرافیہ دان علامہ یاقوت حموی (متوفی 626ھ) اس کی محل وقوع کی بابت رقم طراز ہیں:

> "فَدَكُ: قَرْيَةٌ بالْحِجاز، بينها وبينَ الْمَدينة يومان، وَقيل: ثَلاثةٌ، وَهي ممَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُوله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْه وَسَلَّم فِي صُلْحِ أَهْلِهَا."[2]
>
> "فدک حجاز کی ایک بستی ہے، جس کے اور مدینہ کے درمیان دو، اور ایک قول کے مطابق تین دن کی مسافت ہے۔ یہ ان علاقوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اہلِ فدک کی صلح کے نتیجے میں بطورِ "فے" عطا فرمایا تھا۔"

امام ابن سعد (متوفی 230ھ) کی صراحت کے مطابق یہ علاقہ یہودی قبائل کا گڑھ تھا، جو اپنی عسکری قوت کے بجائے زرعی پیداوار اور تجارتی اہمیت کی بنا پر گردونواح میں معروف تھا۔[3]

(ب) فتحِ فدک کا واقعہ اور اس کی نوعیت

فدک کی فتح کا واقعہ سن 7 ہجری میں غزوۂ خیبر کے فوری بعد پیش آیا۔ جب خیبر کے قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہوئے اور وہاں کے یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے، تو فدک کے مکینوں پر رعب و ہیبت طاری ہو گئی۔ انہوں نے قتال کے بجائے مصالحت کی راہ اختیار کرنا مناسب سمجھا۔ امام ابن ہشام (متوفی 218ھ) اس صلح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّه صلَّى اللَّهُ علَيْه وسلَّم مِنْ خَيْبَر، قَذَفَ اللَّهُ الرُّعْبَ فِي قُلُوب أَهْلِ فَدَك، فَبَعَثُوا إِلَى رَسُول اللَّه صلَّى اللَّهُ عَلَيْه وسلَّم يُصَالِحُونَه عَلَى نصْف فَدَك."[4]

"جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ فدک کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی طرف قاصد بھیجے کہ وہ فدک کی نصف زمین کی بنیاد پر صلح کے خواہش مند ہیں۔"

چونکہ فدک لشکرِ اسلام کی کسی براہِ راست یلغار یا جدوجہد کے بغیر محض صلح کے ذریعے حاصل ہوا تھا، اس لیے شرعی اصطلاح میں اسے "مالِ غنیمت" کے بجائے "مالِ فے" قرار دیا گیا۔ امام بلاذری (متوفی 279ھ) اس کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَكَانَتْ فَدَكُ خَالصَةً لِرَسُول اللَّه صلَّى اللَّهُ علَيْه وسلَّم لأَنَّ الْمُسْلمينَ لَمْ يُوجفُوا عَلَيْهَا بِخَيْلٍ ولَا رِكَاب."[5]

"اور فدک خالصتاً رسول اللہ ﷺ کے (تصرف) کے لیے تھا، کیونکہ مسلمانوں نے اس (کی فتح) کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔"

اس تاریخی حقیقت کی تائید قرآنِ مجید کی سورۃ الحشر سے بھی ہوتی ہے، جہاں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وما أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُوله منْهُمْ فَمَا أَوجَفْتُم عَلَيْه مِنْ خَيْلٍ ولَا رِكَاب ولَكنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَاءُ واللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ[6]

"اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو ان (کفار) سے دلایا ہے، تو اس کے لیے تم نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس آیت کی روشنی میں فدک کی حیثیت ایک ایسی "سرکاری جاگیر" کی تھی جس کے منتظمِ اعلیٰ خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ﷺ اس کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کے نفقہ (سال بھر کے اخراجات) کا انتظام فرماتے اور بقیہ رقم مسافروں، وفود کی مہمانی اور دفاعِ اسلام کے لیے وقف فرما دیتے تھے۔ صحیح بخاری کی روایت اس پر شاہد ہے:

"كَانَتْ أَمْوالُ بَنِي النَّضير مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُوله صلَّى اللَّهُ عَلَيْه وسلَّم... فَكَانَ رَسُولُ اللَّه صلَّى اللَّهُ عليه وسلَّم يُنفقُ عَلَى أَهْلِه نَفَقَةَ سَنَتهم مِنْ هَذَا الْمَال، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللَّه."[7]

"بنو نضیر کے اموال اُن اموال میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بطور فَے عطا فرمائے تھے... چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس مال میں سے اپنے اہل و عیال کے ایک سال کے اخراجات نکالتے، پھر جو مال باقی بچتا اسے اللہ کے مال (یعنی مسلمانوں کے اجتماعی و دینی مصالح) میں صرف فرمادیتے تھے۔"

(ج) فدک کی حیثیت: مالِ فَے یا غنیمت؟

فدک کی شرعی و قانونی حیثیت کے تعین میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آیا اسے "مالِ غنیمت" کے زمرے میں رکھا جائے گا یا "مالِ فَے" کے؟ اسلامی شریعت میں ان دونوں اصطلاحات کے درمیان ایک واضح خطِ امتیاز موجود ہے۔ مالِ غنیمت (Spoils of War) سے مراد وہ اموال ہیں جو باقاعدہ معرکہ آرائی اور قتال کے نتیجے میں دشمن سے حاصل ہوں، جبکہ مالِ فَے (Al-Fay) وہ اموال ہیں جو بغیر جنگ کے، محض رعبِ اسلامی یا صلح کے نتیجے میں حاصل ہوں۔ قرآنِ کریم نے سورۃ الحشر میں اس تقسیم کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

وما أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِه مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْه مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَاب... [8]

(اور جو مال اللہ نے اپنے رَسول کو ان سے دلوایا، اس پر تم نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔)

یہ آیت اس فقہی اصول کی بنیاد ہے کہ جو اموال عسکری کشمکش کے بغیر حاصل ہوں، ان کی ملکیت اور تصرف کا حتمی اختیار اللہ کے رسول ﷺ کو حاصل ہوتا ہے، تاکہ آپ ﷺ انہیں ریاست کے وسیع تر مفادات میں صرف فرماسکیں۔

امام ابنِ کثیر (متوفی 774ھ) اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"فَمَا لَمْ يُوجِف الْمُسْلِمُونَ عَلَيْه بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَهُوَ فَيْءٌ خَالِصٌ لِرَسُولِ اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْه وسَلَّم، يَضَعُه حَيْثُ شَاء." [9]

"جس مال کے حصول کے لیے مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہ دوڑائے ہوں، وہ خالصتاً رسول اللہ ﷺ کے لیے "فَے" ہے، آپ اسے جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔"

اسی طرح امام بلاذری (متوفی 279ھ) اپنی مشہور تصنیف میں صراحت کرتے ہیں کہ چونکہ فدک کے یہودی باشندوں نے مرعوب ہو کر نصف زمین کی صلح پیش کی تھی، اس لیے اس پر "فَے" کے احکام جاری ہوئے:

"كَانَتْ فَدَكُ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْه وسَلَّم، لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهَا بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ." [10]

"فدک اُن اموال میں سے تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بطور فَے عطا فرمایا تھا،
کیونکہ مسلمانوں نے اس کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ۔"

فقہائے اسلام بالخصوص امام ابو یوسف (متوفی 182ھ) نے "کتاب الخراج" میں اس موضوع پر اصولی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مالِ فے کا مصرف متعین کرنے کا اختیار ریاست کے سربراہ (نبی کریم ﷺ) کے پاس ہوتا ہے، اور اسے عام غنیمت کی طرح لشکر میں تقسیم کرنا واجب نہیں ہوتا۔[11] ان ٹھوس دلائل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ فدک کی حیثیت ایک "عام ملکیتی جائیداد" کی نہیں بلکہ ایک "قومی امانت" اور "مالِ فے" کی تھی۔

(د) عہدِ نبوی ﷺ میں فدک کا انتظام وانصرام

جب فدک کی حیثیت مالِ فَے کے طور پر متعین ہو گئی، تو نبی کریم ﷺ نے اس کے نظم و نسق کے لیے وہی اسلوب اختیار فرمایا جو ایک عادل سربراہِ مملکت اور رحیم مربی کا خاصہ ہے۔ آپ ﷺ اس اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی کو اپنی ذات کے لیے نہیں، بلکہ ایک "متولی" اور "امین" کے طور پر معاشرے کے محروم طبقات کی فلاح کے لیے استعمال فرماتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر فاروقؓ کی روایت اس انتظام کی بہترین عکاسی کرتی ہے:

"فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللَّهِ." [12]

"چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس مال میں سے اپنے اہلِ خانہ کے ایک سال کے اخراجات پورے فرماتے، پھر جو کچھ باقی بچتا اسے اللہ کے مال کے مصرف میں، یعنی مسلمانوں کے اجتماعی اور دینی مصالح میں خرچ فرما دیتے تھے۔"

امام ابو داؤد (متوفی 275ھ) نے اس انتظامی ڈھانچے کو مزید تفصیل سے بیان کیا ہے:

"إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ فَدَكٍ قُوتَ أَهْلِهِ، وَمَا بَقِيَ جَعَلَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ."[13]

(بیشک نبی کریم ﷺ فدک کی آمدنی سے اپنے اہلِ خانہ کی ضرورت کے مطابق (نفقہ) لیتے، اور جو بچ جاتا اسے اللہ کی راہ (دفاعی و رفاہی مقاصد) میں صرف فرما دیتے۔)

رسول اللہ ﷺ کے اس نظامِ عمل کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فدک کی آمدنی کے چار بڑے مصرف تھے:

- نفقہِ اہل بیت: ازواجِ مطہرات اور اہل بیت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی۔
- ضیافتِ وفود: مدینہ منورہ آنے والے قبائلی وفود اور سرکاری مہمانوں کی میزبانی۔
- امدادِ مساکین: اصحابِ صفہ، بیوگان، یتامیٰ اور مسافروں کی مالی کفالت۔
- دفاعی ضروریات: گھوڑوں، اسلحہ اور جنگی سامان کی خریداری۔[14]

امام ابن سعد (متوفی 230ھ) کے مطابق، آپ ﷺ نے اس اراضی کو کسی مخصوص وارث کے سپرد کرنے کے بجائے اسے ایک "دائمی وقف" کی صورت دے دی تھی جو ریاستِ مدینہ کے مالیاتی استحکام کا ذریعہ تھی۔[15] اس پورے نظام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ فدک کسی "ذاتی جاگیر" یا موروثی جائیداد کے بجائے ایک "اجتماعی ادارہ" تھا، جس کا انتظام بذاتِ خود نبوت کے عظیم منصب کی ایک انتظامی ذمہ داری تھی۔

2۔ شانِ نزول اور آیتِ جبرائیل کا پس منظر

قرآنِ مجید کا اسلوبِ بیان محض نظری مباحث تک محدود نہیں، بلکہ وہ انسانی رویوں اور معترضین کے فکری مغالطوں کا ٹھوس تاریخی تناظر میں تعاقب کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت 97 اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں وحی کے منبع اور فرشتۂ وحی کی حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہلِ کتاب نے حقانیتِ اسلام کو تسلیم کرنے کے بجائے "پیغام رساں" (جبرائیل علیہ السلام) کی ذات کو ہدفِ ملامت بنایا۔ زیرِ نظر مطالعہ میں اس واقعے کو تفسیر ذخیرۃ الجنان کے منفرد علمی اسلوب کی روشنی میں پرکھا گیا ہے، جہاں مفسر نے "فدک" کے جغرافیائی پس منظر کو یہودی عالم ابن صوریا کے کردار کے ساتھ مربوط کر کے بیان کیا ہے۔

الف. آیت: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ۔۔۔ کا تعارف

یہ آیت وحی کے نظام پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت جواب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ[16]
>
> (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (وہ جان لے کہ) اسی نے اللہ کے حکم سے یہ (قرآن) آپ کے قلبِ اطہر پر نازل کیا ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت وبشارت ہے۔

امام ابن کثیرؒ اور دیگر جلیل القدر مفسرین کے نزدیک یہودیوں کا اعتراض علمی بنیادوں پر نہیں بلکہ نفسیاتی عناد پر مبنی تھا۔ وہ جبرائیل علیہ السلام کو "عذاب کا فرشتہ" (Angel of Punishment) کہہ کر ناپسند کرتے تھے، حالانکہ

فرشتے کی حیثیت محض ایک "مأمور"(Agent) کی ہوتی ہے جو حکمِ الٰہی کی تعمیل کا پابند ہے۔[17]

ب. ابنِ صوریا، فدک اور یہودی سوالات کا واقعہ

تفسیر ذخیرۃ الجنان میں اس واقعے کا ایک خاص پہلو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس شر انگیزی کا مرکزی کردار عبد اللہ بن صوریا تھا، جو فدک کے علاقے میں مقیم یہودیوں کا سب سے بڑا عالم اور مذہبی پیشوا تھا۔

تاریخی و جغرافیائی تناظر:

فدک، جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین دن کی مسافت پر واقع تھا، یہودیوں کا علمی و تعلیمی مرکز تھا۔ وہاں ان کا ایک کالج "بیت المدارس" کے نام سے مشہور تھا، جہاں ابن صوریا جیسے متعصب علماء لوگوں کو اسلام کے خلاف اکسا کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیچیدہ سوالات دے کر بھیجتے تھے۔[18]

واقعہ کی تفصیل:

مولانا سرفراز خان صفدرؒ اس واقعے کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ خود ان کے "بیت المدارس" تشریف لے گئے تاکہ ان پر حجت تمام ہو سکے۔ وہاں ابن صوریا کے ساتھ علمی مکالمہ ہوا، جس میں وہ ہر سوال پر لاجواب ہوتا گیا۔ جب اس کے پاس کوئی علمی دلیل باقی نہ رہی، تو اس نے انتہائی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جبرائیل (علیہ السلام)"۔ اس پر ابن صوریا نے کہا:

> "وہ تو ہمارا دشمن ہے، وہ آپ کو ہمارے بڑوں کے کرتوتوں (بذریعہ وحی) سے آگاہ کر دیتا ہے اور عذاب کی خبریں لاتا ہے۔ اگر وحی لانے والے میکائیل علیہ السلام ہوتے تو ہم ایمان لے آتے۔"[19]

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ یہودیوں کا انکارِ نبوت کسی علمی خلل کی بنا پر نہیں بلکہ اس لیے تھا کہ وحی ان کے باطنی جرائم کا پردہ چاک کر رہی تھی۔ قرآن نے ان کے اس تضاد کو فاش کیا کہ جبرائیل سے دشمنی دراصل اللہ سے دشمنی ہے، کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ "بِإِذْنِ اللَّهِ" (اللہ کے حکم سے) وحی نازل کرتے ہیں۔

ج. ذخیرۃ الجنان کی روشنی میں باغِ فدک کی حقیقت

مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں اس اہم مسئلے کی علمی وضاحت فرمائی ہے کہ فدک کی اراضی دراصل نبی کریم ﷺ کی "ذاتی ملکیت" نہیں تھی بلکہ "مالِ وقف" تھی جس کے آپ ﷺ متولی تھے۔[20]

آپؒ کے استدلال کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

تصرفِ نبوی ﷺ: آپ ﷺ فدک کی آمدنی سے اہل بیت کا نفقہ، اصحابِ صفہ کی کفالت، مساکین کی امداد اور مہمانوں کی مہمانی فرماتے تھے۔ یہ طرزِ عمل واضح کرتا ہے کہ یہ جائیداد ایک ریاستی امانت تھی۔

وراثتِ انبیاء کا اصول: مولاناؒ حدیث "نحن معاشر الأنبیاء لانورث" (ہم انبیاء کی جماعت وارث نہیں بنائے جاتے) کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کی چھوڑی ہوئی اشیاء صدقہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ پر غصب کا الزام لگانا تاریخی و شرعی اعتبار سے باطل ہے۔

حضرت علیؓ کا طرزِ عمل: مولاناؒ ایک نہایت وزنی استدلال پیش کرتے ہیں کہ اگر "اصحابِ ثلاثہ" (حضرت ابو بکر، عمرو عثمان رضی اللہ عنہم) نے یہ باغ غصب کیا ہوتا، تو جب حضرت علیؓ خلیفہ بنے، انہوں نے یہ باغ اولادِ فاطمہؓ کے حوالے کیوں نہیں کیا؟ ان کا سابقہ خلفاء کے فیصلے کو برقرار رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فیصلہ حق اور عدل پر مبنی تھا۔[21]

3۔ باغِ فدک کی شرعی حیثیت

باغِ فدک کا مسئلہ اسلامی تاریخ کے ان معدودے چند موضوعات میں سے ہے جو محض ایک زمینی قطعہ یا مالیاتی معاملے تک محدود نہیں، بلکہ اس کے ساتھ منصبِ نبوت کی قانونی حیثیت، تصورِ ملکیت، وقف، بیت المال اور وراثتِ انبیاء جیسے بنیادی فقہی و کلامی مباحث جڑے ہوئے ہیں۔ فدک کا واقعہ عہدِ نبوی کے معاشی نظام اور بعد ازاں خلافتِ راشدہ کے انتظامی و عدالتی فیصلوں کو سمجھنے کے لیے ایک کلیدی نقطہ فراہم کرتا ہے۔ محدثین، فقہاء اور مفسرین نے اس کی حیثیت کو مختلف علمی زاویوں سے پرکھا ہے، جس میں بنیادی بحث یہ ہے کہ آیا فدک نبی اکرم ﷺ کی شخصی و ذاتی ملکیت تھا یا وہ ریاستِ مدینہ کے عمومی مالیاتی نظام (Public Revenue System) کا ایک حصہ تھا؟

کیا فدک نبی ﷺ کی ذاتی ملکیت تھا؟

اسلامی مصادرِ تاریخ و تفسیر کے مطابق فدک ان اموال میں شامل تھا جو بغیر کسی عسکری معرکے کے، صلح کے نتیجے میں مسلمانوں کے زیرِ تصرف آئے۔ اسلامی قانونِ معیشت میں ایسے اموال کو "فَۓ" (Al-Fay) کہا جاتا ہے۔ مالِ فَۓ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ملکیت غانمین (لشکر) میں تقسیم نہیں ہوتی بلکہ یہ براہِ راست سربراہِ مملکت کے تصرف میں رہتا ہے تاکہ اسے اجتماعی مفادات میں صرف کیا جائے۔

امام ابن کثیرؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ فدک ان اموال میں سے تھا جو بغیر جنگ کے حاصل ہوئے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے بطورِ انتظامی سربراہ اپنے تصرف میں رکھا، نہ کہ اپنی ذات کے لیے بطورِ جائیداد۔[22] امام طبریؒ

کے نزدیک ایسے اموال کا اختیار نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطورِ حاکمِ اسلام عطا کیا گیا تھا تاکہ آپ ﷺ اسے امت کی اجتماعی مصالح میں خرچ فرمائیں۔[23] ان مستند آراء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فدک کو ایک "شخصی اثاثے" کے بجائے "ریاستی یا اجتماعی اثاثے" کے دائرے میں سمجھا گیا ہے، جہاں نبی ﷺ کی حیثیت ایک "مالک" کی نہیں بلکہ ایک "امین و منتظم" (Administrator) کی تھی۔

وقف، متولی اور بیت المال کا تصور

اسلامی فقہ کے تین بنیادی تصورات "باغِ فدک" کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں:

1. وقف (Waqf)

وقف کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ کسی جائیداد کی اصل کو اللہ کی ملکیت میں دیتے ہوئے اس کے منافع کو عوامی یا دینی مقاصد کے لیے دائمی طور پر مخصوص کر دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فدک کی آمدنی کو اسی اصول کے تحت ایک "اجتماعی فنڈ" کی صورت دے دی تھی، جس کا مقصد ریاست کے فلاحی کاموں کی تکمیل تھا۔

2. متولی (Administrator/Trustee)

متولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی وقف شدہ مال یا اجتماعی فنڈ کی نگرانی اور اس کے مصارف کا ذمہ دار ہو۔ نبی اکرم ﷺ فدک کے معاملے میں اسی "منصبِ تولیت" پر فائز تھے۔ آپ ﷺ اس کی آمدنی کو درج ذیل مصارف میں تقسیم فرماتے تھے:

- اہلِ صفہ (مدرسہ نبوی کے طلبہ) کی مالی معاونت۔
- بیواؤں، یتیموں اور مساکین کی کفالت۔
- بیرونی وفود کی میزبانی اور سفارتی اخراجات۔
- دفاعی ضروریات اور ہتھیاروں کی فراہمی۔

3. بیت المال (Public Treasury)

بیت المال سے مراد وہ قومی خزانہ ہے جہاں امت کی اجتماعی آمدنی جمع ہوتی ہے۔ فقہاء کے نزدیک فدک کی آمدنی اسی نظامِ بیت المال کا ایک ابتدائی اور اہم حصہ تھی۔ امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ (متوفی 224ھ) اپنی معرکہ آراء تصنیف "کتاب الاموال" میں رقم طراز ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس جو بھی مالِ فے آتا، آپ ﷺ اسے اپنی ذات کے لیے ذخیرہ نہیں فرماتے تھے بلکہ مسلمانوں کے اجتماعی فلاحی کاموں میں صرف کر دیتے تھے۔[24] 3^]

حدیث: "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث۔۔۔" کی وضاحت

مسئلۂ فدک کی تفہیم اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے علمی جواب کا مدار اس اصولی حدیث پر ہے جس میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ترکے کا شرعی حکم عام انسانوں کے قانونِ وراثت سے ممتاز بیان کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ عالی شان جوامع الکلم میں سے ہے اور مستند ترین اسناد کے ساتھ منقول ہے:

"نَحْنُ مَعَاشِرَ الأَنْبِيَاءِ لا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ"[25]

"ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا؛ ہم جو کچھ (مال و متاع) چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

یہ روایت نہ صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ سنن اربعہ اور مسانید میں بھی تواتر کے قریب درجے میں موجود ہے، جس پر امت کے جمہور محدثین و فقہاء کا اتفاق ہے۔

حدیث کا مفہوم اور محدثین کی تشریح

محدثینِ عظام نے اس حدیث کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے اس نکتے پر زور دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا منصبِ نبوت مادی مفادات سے بالاتر ہوتا ہے، لہٰذا ان کا ترکہ ان کی وفات کے بعد خونی رشتہ داروں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

امام نوویؒ (متوفی 676ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"مراد یہ ہے کہ انبیاء کا ترکہ بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا بلکہ وہ "بیت المال" کے حکم میں ہوتا ہے جسے مسلمانوں کے اجتماعی مفادات پر خرچ کیا جاتا ہے۔"[26]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفی 852ھ) نے اس پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ حکم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے عام ہے، تاکہ ان کی نبوت پر یہ اعتراض نہ ہو سکے کہ انہوں نے دنیاوی مال و دولت جمع کیا جو ان کے ورثاء کو ملا۔[27]

وراثتِ انبیاء کا شرعی اصول

اسلامی فقہ میں انبیاء علیہم السلام کی وراثت کا مسئلہ ایک مستقل اصولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اصول کے تین بنیادی ستون ہیں:

- عدمِ وراثتِ مالی: انبیاء کا مال ذاتی ملکیت کے طور پر ورثاء میں منتقل نہیں ہوتا۔
- وقفِ عمومی: ان کا بچا ہوا مال عمومی مصالحِ امت کے لیے وقف (Endowment) تصور کیا جاتا ہے۔
- انتظامِ ریاست: اس مال کا نظم و نسق وقت کے خلیفہ یا امام کے سپرد ہوتا ہے جو اسے ان کے مصارف پر خرچ کرتا ہے جن پر نبی ﷺ اپنی حیات میں خرچ فرماتے تھے۔

قرآنی آیات اور مالی وراثت کا اشتباہ

بعض معترضین قرآنِ مجید میں مذکور وراثت کے الفاظ (جیسے حضرت سلیمانؑ کا حضرت داوٗدؑ کا وارث بننا) سے مالی وراثت مراد لیتے ہیں۔ تاہم، مفسرینِ حق نے اس ابہام کو علمی دلائل سے دور کیا ہے۔

وراثتِ سلیمانؑ: قرآن میں ارشاد ہے: "وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ"[28] مفسرین کے مطابق یہاں وراثت سے مراد "علم، نبوت اور سلطنت" ہے نہ کہ مال، کیونکہ حضرت داوٗدؑ کی کثیر اولاد تھی، اگر یہ مالی وراثت ہوتی تو صرف حضرت سلیمانؑ کا ذکر نہ ہوتا۔[29]

دعاءِ زکریاؑ: اسی طرح حضرت زکریاؑ کی دعا "يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ"[30] کے بارے میں امام طبریؒ اور علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء کو یہ فکر نہیں ہوتی تھی کہ ان کا مال کون کھائے گا، بلکہ انہیں یہ فکر ہوتی تھی کہ ان کے بعد دین کی اشاعت اور نبوت کے مشن کا وارث کون بنے گا۔[31]

فقہی نتیجہ

فقہائے اسلام نے اس مسئلے سے یہ حتمی اصول اخذ کیا ہے کہ منصبِ نبوت کی قداست کا تقاضا یہی ہے کہ ان کا مال و متاع کسی فرد کی ملکیت نہ بنے بلکہ وہ "صدقہ" بن کر پوری امت کے نفع کا ذریعہ بنے۔ یہی وہ بنیاد تھی جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے باغِ فدک کی آمدنی کو اہل بیت میں تقسیم کرنے کے بجائے اسے اسی نہج پر جاری رکھا جس پر نبی کریم ﷺ نے رکھا تھا۔

4۔ خلافتِ راشدہ اور فدک کا مسئلہ

باغِ فدک کا مسئلہ محض عہدِ نبوی ﷺ تک محدود نہیں رہا، بلکہ خلافتِ راشدہ کے پورے دور میں یہ ایک اہم علمی، فقہی اور انتظامی عنوان کے طور پر موجود رہا۔ اس مسئلے کا براہِ راست تعلق "منصبِ خلافت"، "نظمِ بیت المال" اور "وراثتِ انبیاء" کے اصولی فہم سے تھا۔ خلفائے راشدینؓ کے متفقہ طرزِ عمل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اس معاملے کو کسی شخصی یا جذباتی زاویے سے دیکھنے کے بجائے خالصتاً شرعی اصولوں اور ریاستی نظم (Administrative Discipline) کے تحت حل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فدک کی حیثیت تمام ادوارِ خلافت میں ایک مستقل "اجتماعی امانت" کے طور پر برقرار رہی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا موقف اور فیصلہ

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فدک کے معاملے میں اس اصولی ضابطے کو بنیاد بنایا جو انہوں نے براہِ راست زبانِ رسالت ﷺ سے سنا تھا:

"نَحْنُ مَعَاشِرَ الأَنْبِيَاءِ لاَ نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ"[32]

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا استدلال یہ تھا کہ چونکہ انبیاء کی مالی وراثت جاری نہیں ہوتی، اس لیے فدک کی حیثیت "صدقہ" اور "بیت المال" کی ہے جس کے منتظم خود نبی کریم ﷺ تھے۔ آپؓ نے فیصلہ فرمایا کہ فدک کی آمدنی کو اسی نہج پر برقرار رکھا جائے گا جس پر عہدِ نبوی ﷺ میں تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس فیصلے کی حکمت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَلَمْ يَخُصَّهُ أَبُو بَكْرٍ لأَحَدٍ، بَلْ جَعَلَهُ فَيْئًا لِلْمُسْلِمِينَ، يَصْرِفُهُ فِي مَصَالِحِهِمْ."[33]

"حضرت ابو بکرؓ نے اسے کسی فردِ واحد کے لیے مخصوص نہیں کیا بلکہ اسے مسلمانوں کے لیے "فے" (اجتماعی مال) قرار دیا تاکہ اسے ان کی فلاح پر خرچ کیا جائے۔"

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا طرزِ عمل

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ادوار میں بھی فدک کے حوالے سے وہی پالیسی برقرار رہی جو صدیقِ اکبرؓ نے وضع کی تھی۔

عہدِ فاروقی: حضرت عمرؓ نے فدک کی آمدنی کو رفاہی اور دفاعی امور کے لیے وقف رکھا۔ آپؓ کا اصولی موقف یہ تھا کہ سرکاری اموال پر پوری امت کا حق ہے۔ بقول امام طبریؒ، آپؓ فرماتے تھے: "یہ مال نہ میرا ہے نہ تمہارا، بلکہ یہ مسلمانوں کا (مشترکہ) مال ہے۔"[34]

عہدِ عثمانی: حضرت عثمانؓ نے بھی سابقہ خلفاء کے انتظامی تسلسل (Continuity of Governance) کو برقرار رکھا اور اس اراضی کو کسی کی ذاتی ملکیت میں منتقل کرنے کے بجائے بیت المال کے تحت ہی رہنے دیا۔

حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں فدک کی حیثیت

تحقیقی اعتبار سے سب سے وزنی نکتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرزِ عمل ہے۔ جب آپؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور آپ کے پاس مکمل اختیارات موجود تھے، تب بھی آپؓ نے فدک کی سابقہ حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

امام ابن سعدؒ روایت کرتے ہیں:

"كَانَ عَلِيٌّ يَسِيرُ بِسِيرَةِ الشَّيْخَيْنِ فِي الْأَمْوَالِ."[35]

"حضرت علیؓ مالی معاملات کی تقسیم و انتظام میں شیخین (حضرت ابو بکر و عمرؓ) کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔"

اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فیصلہ (معاذ اللہ) ناانصافی پر مبنی ہوتا، تو حضرت علیؓ اسے منسوخ فرما کر اولادِ فاطمہؓ کے حوالے کر دیتے، لیکن آپؓ کا اسے برقرار رکھنا اس بات کی سب سے بڑی تاریخی و شرعی دلیل ہے کہ صدیقِ اکبرؓ کا

فیصلہ عین حق تھا۔

اہلِ بیتؓ اور صحابہؓ کے درمیان حقیقی صورتِ حال

مستند تاریخی و حدیثی مصادر اس بات پر گواہ ہیں کہ فدک کا اختلاف دشمنی یا عناد پر نہیں بلکہ "اجتہادی اختلاف" پر مبنی تھا۔ حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ اپنی جگہ ایک اجتہادی حق تھا، اور حضرت ابو بکرؓ کا حدیثِ نبوی ﷺ کی بنیاد پر انکار کرنا ان کی شرعی ذمہ داری تھی۔

امام نوویؒ اس نازک صورتِ حال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ کے درمیان اس معاملے میں کوئی ذاتی عداوت نہ تھی، بلکہ یہ خالصتاً ایک اجتہادی مسئلہ تھا جس میں فریقین کے پاس اپنی اپنی علمی دلیل موجود تھی۔"[36]

خلاصہ کلام یہ کہ خلافتِ راشدہ کے چاروں ادوار میں فدک ایک "قومی وقف" کے طور پر رہا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی چھوڑی ہوئی اشیاء وراثت نہیں بلکہ امت کی امانت تھیں۔

5۔ اعتراضات اور ان کا تحقیقی جائزہ

واقعۂ فدک اور خلافتِ راشدہ میں اس کے انتظامی تسلسل کے ساتھ ساتھ بعض تاریخی و فکری اعتراضات بھی علمی حلقوں میں زیرِ بحث رہے ہیں۔ ان اعتراضات کا بنیادی محور فدک کی شرعی ملکیت، قانونِ وراثتِ انبیاء اور اکابر صحابہ کرامؓ کے انتظامی فیصلوں کی تعبیر و تشریح ہے۔ علمی تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ ان اعتراضات کو محض جذباتی یا مناظرانہ پیراؤں میں دیکھنے کے بجائے مصادرِ اصلیہ اور نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں پرکھا جائے، تاکہ تاریخی حقائق اپنی اصل صورت میں واضح ہو سکیں۔

(الف) معترضین کے موقف کا خلاصہ

تاریخی کتب میں ایک خاص نقطہ نظر یہ نقل کیا جاتا ہے کہ فدک نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کی ذاتی ملکیت ہونا چاہیے تھا، جسے بعد ازاں خلافتِ صدیقی میں ان کی طرف منتقل نہیں کیا گیا۔ اس موقف کی بنیاد رکھنے والے اسے اہل بیت کے حق میں ایک کمی اور مطالبہ وراثت کی نفی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس بیانیے کی اساس زیادہ تر ان روایات پر ہے جن میں حضرت فاطمہؓ کے مطالبے کا ذکر ہے، تاہم ان روایات کی تعبیر و تشریح میں محدثین اور مؤرخین کے درمیان واضح فرق موجود ہے۔

(ب) تاریخی و علمی تجزیہ

محدثین اور محققینِ امت کے نزدیک فدک کا اصل مسئلہ کسی کی "ذات" کا نہیں بلکہ ایک "شرعی اصول" کی پاسداری

کا تھا۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمانِ قطعی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جس میں آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ انبیاء کی مالی میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔[37] امام ابن کثیرؒ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ورثاء کے لیے نہ دینار چھوڑا اور نہ درہم، بلکہ آپ ﷺ کا ہر اثاثہ امت کے لیے صدقہ کی حیثیت رکھتا تھا۔[38] لہٰذا، وراثت کی تقسیم نہ کرنا کسی حق تلفی کے بجائے ایک الٰہی ضابطے کی تعمیل تھی۔

(ج) صحابہ کرامؓ پر کیے گئے اعتراضات کا رد

خلافتِ صدیقی کے فیصلے کو محض ایک "ذاتی اقدام" قرار دینا تاریخی حقائق کے منافی ہے، کیونکہ یہ فیصلہ براہِ راست نصِ نبوی کی روشنی میں کیا گیا تھا۔ امام نوویؒ کے مطابق اس فیصلے پر تمام صحابہ کرامؓ کا اتفاق تھا اور کسی نے بھی اسے شرعی اصولوں سے انحراف تصور نہیں کیا۔[39] یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا جس میں حضرت فاطمہؓ کی اپنی ایک علمی رائے تھی اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس نبی ﷺ کا فرمان موجود تھا۔ ان دونوں آراء کے درمیان اختلاف کو دشمنی یا عناد کے بجائے علمی تنوع کے طور پر دیکھنا چاہیے۔

(د) تفسیر ذخیرۃ الجنان کی روشنی میں وضاحت

متکلمِ اسلام مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے تفسیر ذخیرۃ الجنان میں اس مسئلے کی نہایت مدلل وضاحت فرمائی ہے۔ آپؒ کے نزدیک فدک کو نبی ﷺ کی ذاتی ملکیت سمجھنا ایک بنیادی غلطی ہے، کیونکہ یہ "مالِ فَے" اور "وقفی نوعیت" کی اراضی تھی جس کا انتظام صرف منصبِ نبوت یا منصبِ خلافت کے پاس رہ سکتا تھا۔ ذخیرۃ الجنان میں حدیثِ نبوی "ما ترکناہ صدقۃ" کو ایک ایسی اصولی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو تمام شبہات کا ازالہ کر دیتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ خلفائے راشدین کا طرزِ عمل عین منشائے رسالت کے مطابق تھا۔[40]

6۔ تفسیری تجزیہ (Analytical Discussion)

قرآنِ مجید کی تفسیر محض لغوی توضیح یا تاریخی بیان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا علمی عمل ہے جس میں متنِ قرآنی کو اس کے سیاق، اسبابِ نزول، روایاتِ نبویہ اور فکری و فقہی اصولوں کے ساتھ مربوط کر کے سمجھا جاتا ہے۔ زیرِ بحث مسئلہ، یعنی آیتِ جبرائیل اور اس کے ضمن میں فدک و وراثتِ انبیاء کے مباحث، تفسیری تنوع کی ایک واضح مثال ہیں، جہاں مختلف مکاتبِ تفسیر نے اپنے علمی منہج کے مطابق وضاحت پیش کی ہے۔

(الف) تفسیر ذخیرۃ الجنان کا اسلوب اور انفرادی پہلو

تفسیر ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن کا اسلوب عمومی طور پر توضیحی، استدلالی اور بعض مقامات پر مناظرانہ

(Apologetic) نوعیت رکھتا ہے۔ مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے آیات کو محض لغوی حدود میں مقید نہیں رکھا، بلکہ ان کے ساتھ تاریخی واقعات اور عقائدی مباحث کو اس طرح پیوست کیا ہے کہ قاری کے سامنے ایک فکری دفاعی فریم ورک سامنے آتا ہے۔

نمایاں خصوصیت: مفسر آیتِ جبرائیل کے ضمن میں یہودی اعتراضات اور فدک کے تاریخی پس منظر کو یکجا کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام کا نظامِ وحی اور نظامِ مال دونوں انسانی خواہشات کے بجائے اذنِ الٰہی کے تابع ہیں۔

تنقیدی نکتہ: بعض مقامات پر مصنف کا مناظرانہ رنگ اتنا غالب آجاتا ہے کہ بحث "تفسیر" سے زیادہ "دفاعِ مسلک و صحابہ" کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جو کہ ان کے مخصوص تدریسی اور اصلاحی پس منظر کا نتیجہ ہے۔

(ب) دیگر تفاسیر سے تقابلی جائزہ اور کثیر الجہتی آراء

اس مسئلے کی تفہیم کے لیے جب ہم دیگر امہات التفاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں، تو علمی وسعت کے کئی نئے پہلو سامنے آتے ہیں:

امام ابن جریر طبریؒ کا منہج خالصتاً روایتی اور تاریخی ہے۔ وہ فدک اور آیتِ جبرائیل سے متعلق تمام تر اسناد اور متضاد روایات کو دیانت داری سے نقل کر دیتے ہیں۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ قاری پر فیصلہ مسلط کرنے کے بجائے مختلف اقوال کے درمیان موازنہ فراہم کرتے ہیں۔ "ذخیرۃ الجنان" کے برعکس، طبری میں متبادل آراء کی تفصیل زیادہ ملتی ہے۔[41]

امام ابن کثیرؒ کا اسلوب "تفسیر القرآن بالحدیث" کا شاہکار ہے۔ انہوں نے وراثتِ انبیاء کے مسئلے پر حدیث "لا نورث" کو اصولی بنیاد قرار دیتے ہوئے اس کی اسنادی حیثیت پر بحث کی ہے۔ ان کا موقف "ذخیرۃ الجنان" کے قریب ہے، مگر ان کا انداز زیادہ محدثانہ ہے، جہاں وہ روایات کے ضعف اور قوت پر کلام کر کے شرعی حکم متعین کرتے ہیں۔[42]

امام قرطبیؒ نے اس مسئلے کا فقہی اور قانونی پہلو نمایاں کیا ہے۔ انہوں نے فدک کی شرعی حیثیت کو "مالِ فے" کے احکام کے تحت بیان کیا اور ثابت کیا کہ انبیاء کی میراث مالی کیوں نہیں ہو سکتی۔ ان کا استدلال عقلی و فقہی ہے، جو "ذخیرۃ الجنان" کے استدلالی پہلو کو مزید تقویت دیتا ہے۔[43]

علامہ آلوسیؒ نے اس بحث میں اشاری اور کلامی پہلو شامل کیے ہیں۔ انہوں نے اہل بیتؓ اور صدیقِ اکبرؓ کے درمیان ہونے والے مکالمے کی ایسی علمی توجیہ پیش کی ہے جو جذباتی ہونے کے بجائے علمی توازن پر مبنی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ "عقلی وراثت" کے عمومی تصور پر تھا، جبکہ صدیقِ اکبرؓ کا فیصلہ "شرعی نص" پر تھا، اور نص ہمیشہ عقل پر مقدم ہوتی ہے۔[44]

(ج) دلائل، روایات اور استدلال کا جائزہ

"ذخیرۃ الجنان" میں استدلال کی بنیاد تین ماخذوں (قرآن، حدیث، تاریخ) پر ہے۔ تاہم، علمی نقطہ نظر سے مفسر کا اسلوب یہاں "ترجیحی" (Selective) ہے؛ یعنی وہ ان روایات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جو جمہور صحابہ کے موقف اور حدیثِ نبوی ﷺ کی تائید کرتی ہیں۔ یہ منہج اگرچہ ایک واضح فکری سمت فراہم کرتا ہے، مگر محققین کے لیے متبادل تاریخی روایات کے تجزیے کی گنجائش باقی رکھتا ہے۔

(د) اعتدال و توازن کا پہلو

تفسیری ادب میں اعتدال کا تقاضا یہ ہے کہ وراثتِ انبیاء اور فدک جیسے مباحث کو ان کے اصل اصولی دائرے میں رکھا جائے۔ محدثین اور اصولیین کے نزدیک:

اختلافی مسائل کو "اجتہادی دائرے" میں رکھنا ضروری ہے تاکہ کسی فریق کی تنقیص نہ ہو۔

تفسیر کا توازن اسی میں ہے کہ نصوص کو مجموعی نظامِ شریعت کے ساتھ ہم آہنگ دیکھا جائے۔

امام نوویؒ کا یہ زریں اصول اس پورے تجزیے کا خلاصہ ہے: "یہ اجتہادی مسائل ہیں جن میں مخالف کو بدعتی نہیں کہا جاتا، بلکہ ہر ایک کے پاس اپنے دلائل موجود ہیں۔"[45] 5^]

7۔ عصری معنویت (Contemporary Relevance)

تاریخی واقعات اور قرآنی مباحث کی اہمیت محض ماضی کی بازیافت تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ ان کی حقیقی معنویت ہر دور کے فکری، سماجی اور ریاستی نظام میں پیدا ہونے والے نئے سوالات کے جواب فراہم کرنے میں پنہاں ہے۔ واقعۂ فدک، وراثتِ انبیاء اور خلافتِ راشدہ کے انتظامی فیصلے بظاہر صدیوں پرانے موضوعات معلوم ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ عصری تناظر میں "ریاستی امانت"، "نظام کی شفافیت" (Accountability) اور "مذہبی تنوع کے احترام" جیسے بنیادی اصولوں کی تشکیل میں مشعلِ راہ ہیں۔

(الف) ریاستی وسائل اور امانت کا تصور

اسلامی نظامِ سیاست میں ریاستی وسائل کو "پبلک ٹرسٹ" (Public Trust) کی حیثیت حاصل ہے، جس کا مقصد کسی خاص طبقے کی ثروت اندوزی نہیں بلکہ بلا امتیازِ رنگ و نسل اجتماعی فلاح و بہبود ہے۔ فدک کا مسئلہ اس زریں اصول کی عملی مثال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنی ذات یا خاندان کی ملکیت بنانے کے بجائے ایک "قومی اثاثے" کے طور پر منظم فرمایا۔

قرآنِ مجید کا اصولی حکم ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا[46](النساء:58)

(بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے حق داروں کے سپرد کرو۔)

آج کے دور میں یہ اصول گورننس، مالی شفافیت اور عوامی وسائل کے منصفانہ استعمال کے لیے ایک ناگزیر رہنما اصول ہے۔ یہ سبق دیتا ہے کہ مقتدر قوتیں قومی وسائل کو اپنی جاگیر سمجھنے کے بجائے خود کو ان کا "محافظ" اور "امین" تصور کریں۔

(ب) مذہبی اختلافات میں اعتدال اور علمی تنوع

تاریخی و فقہی اختلافات، بالخصوص وراثتِ انبیاء سے متعلق مباحث، اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اسلامی علمی روایت میں "اختلافِ رائے" کو کبھی فتنہ نہیں بلکہ "علمی تنوع" (Intellectual Diversity) سمجھا گیا۔ صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتؓ کے درمیان فدک کے معاملے پر ہونے والا مکالمہ اس قدر مہذب تھا کہ اس میں دلیل کا وزن تو تھا مگر دشنام طرازی یا تکفیر کا شائبہ تک نہ تھا۔

موجودہ دور میں جب مذہبی اختلافات اکثر انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ تصادم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اس تاریخی پس منظر سے یہ سبق ملتا ہے کہ علمی اختلاف کو "برداشت" اور "احترامِ باہمی" کے دائرے میں رکھنا ہی امت کے فکری استحکام کی ضمانت ہے۔

(ج) تاریخی مسائل کو فرقہ واریت سے پاک کرنے کی ضرورت

تاریخی واقعات کو جب جذباتی یا فرقہ وارانہ چشمے سے دیکھا جاتا ہے تو وہ اتحاد کے بجائے انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ فدک جیسے مسائل کو ان کے اصل فقہی اور انتظامی تناظر میں سمجھا جائے۔ اسے "حق تلفی" یا "عداوت" کا عنوان دینا ان عظیم ہستیوں کے مقامِ بلند کے منافی ہے جن کی تربیت خود وحی کے سائے میں ہوئی۔

عصری محققین کے لیے یہ واقعہ ایک "کیس اسٹڈی" ہے کہ کس طرح متنازعہ فیہ مسائل کو نصوص اور ضابطوں کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے، تاکہ معاشرتی نظم برقرار رہے۔

(د) فکری چیلنجز اور توازن کا ماڈل

آج کا فکری ماحول مذہبی بیانیے میں شدت اور تاریخی شخصیات کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہے۔ واقعۂ فدک اور خلافتِ راشدہ کے فیصلے درج ذیل تین بنیادی فکری ماڈل فراہم کرتے ہیں:

اصول پسندی: ریاستی فیصلے جذبات یا قرابت داری کے بجائے "نصوص" اور "قانون" کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔

حسنِ ظن: امت کے اکابرین (صحابہ و اہلِ بیت) کے درمیان ہونے والے اختلافات کو سوءِ ظن کے بجائے "اجتہادی دیانت" پر محمول کرنا لازم ہے۔

ادارے کا استحکام: انفرادی مطالبات پر "اجتماعی مفاد" اور "ادارہ جاتی تسلسل" کو فوقیت دینا ہی ریاست کی بقا کا راز ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ تاریخی مباحث آج کے دور میں بھی فکری اعتدال، علمی دیانت اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

8۔اہم تحقیقی نتائج

اس تحقیق کے ثمرات کو درج ذیل نکات میں تلخیص کیا جا سکتا ہے:

1. وراثتِ انبیاء کا امتیازی قانون: تحقیق سے یہ بنیادی نکتہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا مالیاتی ترکہ عام انسانوں کے قانونِ وراثت سے مستثنیٰ ہے۔

2. فدک کی شرعی و انتظامی حیثیت: تاریخی شواہد اور فقہی نصوص کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فدک "مالِ فَۓ" کی قبیل سے تھا۔ چونکہ یہ علاقہ بغیر کسی عسکری معرکے کے صلح کے نتیجے میں حاصل ہوا، اس لیے اس کی حیثیت شخصی ملکیت کے بجائے "ریاستی امانت" کی تھی۔

3. خلفائے راشدین کا انتظامی تسلسل: خلافتِ راشدہ کے چاروں ادوار (حضرت ابو بکرؓ سے حضرت علیؓ تک) میں فدک کے حوالے سے اختیار کی جانے والی پالیسی میں مکمل ہم آہنگی اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ صدیقِ اکبرؓ کا فیصلہ ان کی ذاتی رائے نہیں بلکہ نصِ نبوی کی تعمیل تھی، جس کی توثیق مابعد کے خلفاء کے طرزِ عمل سے بھی ہوتی ہے۔ خصوصاً حضرت علیؓ کا اپنے دورِ خلافت میں فدک کی سابقہ حیثیت کو برقرار رکھنا اس فیصلے کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔

4. تفسیری و کلامی دفاع: تفسیر ذخیرۃ الجنان کے تجزیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے اس مسئلے کو خالصتاً نصوصِ قرآنی اور روایاتِ صحیحہ کے فریم ورک میں حل کیا ہے۔ آپؒ کے نزدیک فدک کا مسئلہ "حق تلفی" کا نہیں بلکہ "حکمِ الٰہی" کی پاسداری کا تھا، اور اسے بعد کے مسلکی یا فرقہ وارانہ تنازعات کی عینک سے دیکھنا علمی دیانت کے خلاف ہے۔

فکری و اصلاحی پہلو (Reflections)

تحقیق کا ایک اہم حاصل یہ ہے کہ فدک سے متعلق بعض تاریخی بیانیے بعد کے ادوار میں جذباتی اور فرقہ وارانہ تعبیرات کا شکار ہوئے۔

بنیادی غلط فہمی یہ رہی کہ ایک "ریاستی مالیاتی مسئلے" کو "ذاتی و خاندانی حق" کے زاویے سے پرکھا گیا۔

صحابہ کرامؓ کے اجتہادی اختلافات کو باہمی عداوت پر محمول کرنا تاریخی حقائق کی مسخ شدہ تصویر پیش کرنے کے مترادف ہے۔

مختصر یہ کہ وراثتِ انبیاء اور فدک کا مسئلہ فقہی اور انتظامی نوعیت کا تھا جس کی بنیاد براہِ راست تعلیماتِ نبوی ﷺ پر قائم تھی۔ اسلامی علمی روایت کا حسن یہی ہے کہ وہ شخصی تعلقات اور جذباتی وابستگیوں کے مقابلے میں "اصول اور نص" کو مقدم رکھتی ہے۔ یہ مطالعہ اس بات کی ضرورت پر زور دیتا ہے کہ امت کے اکابرین کے درمیان ہونے والے مباحث کو حسنِ ظن، علمی توازن اور مستند مصادر کی روشنی میں سمجھا جائے تاکہ فکری انتشار کے بجائے علمی استحکام پیدا ہو۔

مصادر ومراجع

1 ندوی، سید سلیمان۔ سیرت النبی ﷺ (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1998ء) ج:4، ص156

2 یاقوت بن عبد اللہ الحموی، معجم البلدان (بیروت: دار صادر، 1995ء)، ج:4، ص:238۔

3 محمد بن سعد بن منیع الزہری، الطبقات الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1990ء)، ج:1، ص:448۔

4 عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفیٰ السقا (قاہرہ: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفى البابي الحلبي، 1955ء)، ج:2، ص:352۔

5 احمد بن یحییٰ البلاذری، فتوح البلدان (بیروت: دار ومکتبۃ الھلال، 1988ء)، ص:44۔

6 سورۃ الحشر ٥٩:٠٦

7 محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری (ریاض: دار السلام، 1999ء)، کتاب الخمس، باب فرض الخمس، حدیث نمبر 3093۔

8 سورۃ الحشر 06:59

9 عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1419ھ)، ج:8، ص:66۔

10 احمد بن یحییٰ البلاذری، فتوح البلدان (بیروت: دار ومکتبۃ الھلال، 1988ء)، ص:44۔

11 یعقوب بن ابراہیم (امام ابو یوسف)، کتاب الخراج (قاہرہ: المطبعۃ السلفیہ، 1392ھ)، ص:23۔

12 محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الخمس، باب فرض الخمس، حدیث نمبر 3094 (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)۔

13 سلیمان بن اشعث السجستانی (امام ابو داؤد)، سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، حدیث نمبر 2969 (صیدا: المکتبۃ العصریہ، 1420ھ)۔

14 محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 3094 (ما قبل)۔

15 محمد بن سعد بن منیع الزہری، الطبقات الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1990ء)، ج:1، ص:504۔

16 سورۃ البقرۃ 97:02

17 اسماعیل بن عمر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1419ھ)، ج:1، ص:273۔

18 سرفراز خان صفدر، تفسیر ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن، مرتبہ: مولانا نواز بلوچ (گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ، 2010ء)، ج:1، ص:442۔

19 ایضاً، ص:443۔

20 ایضاً، ص:444۔

21 ایضاً، ص:445۔

22 عماد الدین اسماعیل ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:8، ص:66۔

23 الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج:22، ص:522۔

24 ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، تحقیق: خلیل محمد ہراس) قاہرہ: دار الفکر، (. ص:52-55۔

25 البخاری، صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، حدیث نمبر 3092 (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)؛ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر 1759۔

26 النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ج:12، ص:186۔

27 احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری (بیروت: دار المعرفہ، 1379ھ)، ج:6، ص:202۔

28 سورۃ النمل 16:27

29 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:6، ص:185۔

30 سورۃ مریم 06:20

31 محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن (قاہرہ: دار ہجر، 2001ء)، ج:16، ص:34۔

32 البخاری، صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، حدیث نمبر 3092۔

33 ابن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج:6، ص:202۔

34 الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج:3، ص:214۔

35 محمد بن سعد الزہری، الطبقات الکبریٰ، ج:3، ص:39۔

36 یحییٰ بن شرف النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ج:12، ص:186۔

37 محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب فرض الخمس، حدیث نمبر 3092۔

38 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:8، ص:66۔

39 یحییٰ بن شرف النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1392ھ)، ج:12، ص:186۔

40 سرفراز خان صفدر، تفسیر ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن،، ج:1، ص:444۔

41 محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، ج:2، ص:319۔

42 سماعیل بن عمر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:1، ص:273۔

43 محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج:18، ص:10-12۔

44 محمود بن عبد اللہ آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج:2، ص:185۔

45 یحییٰ بن شرف النووی، المجموع شرح المہذب، ج:1، ص:55۔

46 سورۃ النساء 58:04